ایچیسن کالج میں دینی تعلیم

تمہید ۲۷ فروری ۱۹۶۰ء (یوم شنبہ) کو ایچیسن کالج لاہور میں زیر صدارت عالی جناب مسٹر حبیب الرحمٰن صاحب بالقابہ وزیر تعلیم حکومت پاکستان، جلسۂ تقسیم انعامات منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں مسٹر ایس ایم شریف صاحب سیکرٹری محکمۂ تعلیم مغربی پاکستان اور ڈاکٹر محمد جہانگیر خاں صاحب ڈی پی آئی مغربی پاکستان اور دیگر اعیانِ قوم بھی موجود تھے،

اس جلسہ میں ان طلبہ کو انعامات دیئے گئے جنہوں نے تعلیم یا ثقافت کے شعبوں میں نمایاں کامیابی حاصل کی تھی، اس جلسہ میں کالج کے بعض سینئر طلبہ نے تقریریں بھی کیں، ذیل کی تقریر حافظ محمد ناصر الدین متعلم درجہ ہائیر سینئر کیمبرج نے کی تھی، جسے اس نے خود لکھا تھا۔ میں چونکہ خود بھی کالج کے سٹاف میں شامل ہوں، اس لئے بڑے وثوق کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ کالج کے طلبہ میں جو کچھ دینی ذوق اور اسلامی رنگ نظر آتا ہے، یہ سب اس کالج کے لائق پرنسپل جناب سید ذوالفقار علی شاہ صاحب بالقابہ کی اسلام دوستی اور ان کے دینی شغف کا ایک خوشگوار اور مبارک ثمرہ ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ جل شانہٗ، شاہ صاحب کو دین اور قوم کی بیش از بیش خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین،

(مدیر)

مٹا دیا مرے ساقی نے عالم من و تو
پلا کے مجھ کو مئے لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوْ!

صدرِ گرامی قدر، معزز مہمانو اور مرے اچھے ہم وطن بھائیو!

میں آج اس یوم تاسیس کے موقع پر آپ حضرات کی خدمت میں بڑے فخر کے ساتھ یہ اعلان کرنے کیلئے حاضر ہوا ہوں کہ ہماری یہ مادرِ علمی جہاں ہمارے دل و دماغ کو عہدِ جدید کے علوم و فنون سے فیض یاب کرتی ہے، وہاں ہمیں دین و مذہب کے سرچشمہ سے بھی سیراب کرتی ہے، تاکہ یہاں سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد جب ہمارے ایک ہاتھ میں یونیورسٹی کی ڈگری ہو تو دوسرے ہاتھ میں ہم "الدین" یعنی خدا کے پسندیدہ دین اسلام کی حبل المتین مضبوطی سے تھامے ہوں،

علم جدید اور مذہب کے اسی امتزاج کے لئے ہمارے رہنما زور دیتے رہے، سرسید کے دل کی تڑپ حالی کی نوحہ خوانی اکبر کے طنز اور اقبال کی دین و سیاست کی ہم آہنگی ان سب تعلیمات کا خلاصہ یہی ہے کہ ہم دونوں سے فیض یاب ہو کر ایک متوازن زندگی بسر کر سکیں، چنانچہ علامہ فرماتے ہیں کہ ؎

سینہ روشن ہو تو ہے سوزِ سخن عینِ حیات
ہو نہ روشن تو سخن مرگِ دوام اے ساقی!

اور اکبر مرحوم فرماتے ہیں ؎

تم شوق سے کالج میں پڑھو پارک میں پھولو ۔۔۔ جائز ہے غباروں پہ اُڑو چرخ پہ جھولو
بس ایک سُخن بندۂ عاجز کا رہے یاد ۔۔۔ اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

مقام شکر ہے کہ کالج کے ارباب حلّ و عقد بھی اس فریضہ سے آگاہ ہیں ہمارے لئے دینیات کی تعلیم لازمی ہے اور اُسے دوسرے مضامین کے ساتھ مساوی درجہ حاصل ہے، ہمارے لئے ایک قاری صاحب کی مستقل خدمات حاصل کی گئی ہیں اور اب ہمیں فنِ قرأت کے اصولوں کے مطابق قرآن پڑھنے کی سہولتیں مہیا ہیں، شام کی نماز ہمیں مسجد میں باجماعت پڑھائی جاتی ہے گویہ ایک نماز باقی چار نمازوں کی کمی پوری نہیں کرتی۔ لیکن پھر بھی بقولِ اقبالؒ ؎

مرا سبو چہ غنیمت ہے اس زمانے میں
کہ خانقاہ میں خالی ہیں صوفیوں کے کدو!

علاوہ ازیں جماعتوں میں ہمیں دین کی مبادیات پڑھائی جاتی ہے اختلافی مسائل اور فروعات کو چھوڑ کر اسلام کے اصولوں پر زور دیا جاتا ہے۔ اور یہی ہمارے لئے بہتر ہے، مرا ایمان ہے کہ مَنّ یُّردِاللّٰہُ بِہٖ خیراً یُفقِّھہُ فی الدِّین، یعنی جب اللہ کسی شخص کی بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے۔ یہ دین کی سمجھ بڑی اہم چیز ہے اگر معصوم بچوں کے دِلوں میں شروع ہی سے اس کے بیج بو دیئے جائیں تو آہستہ آہستہ یہ ایک تناور درخت بن سکتا ہے

آزادی سے پیشتر کی تعلیم کا رجحان زیادہ تر مادیت کی طرف ہو گیا تھا۔ اور اس طرح اس کے روحانی پہلو پر بہت کم توجہ دی جاتی تھی۔ لیکن اب سمجھ دار لوگ دینی تعلیم اور اس پہ عمل کرنے کی اہمیت سمجھ رہے ہیں کیونکہ "العلمُ بدونِ العمل وبالٌ" - یعنی علم عمل کے بغیر وبال ہے بقول مُرشدِ رومی ؎

علم را بر تن زنی مارے بود ۔۔۔ علم را بر دل زنی یارے بود.

اپنے خیالات کا تسلسل اِس دُعا پہ توڑتا ہوں کہ اے ربُّ العزت! ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم اپنی زندگی کو پوری طرح نئے قالب میں ڈھال سکیں، اور ایچی سن کالج کے بارے میں مرے دِل سے وہی دُعا نکلتی ہے جو جوہر کے دِل سے علی گڑھ کالج کے لئے نکلی تھی ؎

کیا بادۂ گلگوں سے مسرور کیا دل کو
داتا رکھے آباد اس ساقی تری محفل کو

(شیخ التبلیغ حضرت مولٰنا محمد الیاس صاحبؒ کا مکتوب صفحہ ۲۷ سے آگے)

صدق، افسوس ہے کہ اس مکتوب کے جواب کی نقل دستیاب نہ ہو سکی، جواب تحریری یا بالمشافہ جو کچھ بھی رہا ہوگا۔ دیکھنے کے قابل ہوتا۔ مولانا محمد علیؒ خود بھی یورپ میں تبلیغِ دین کے حریص تھے، اس نقل مکتوب میں تاریخ سنہ ۱۳۶۰ھ پڑی ہوئی ہے جو یقیناً غلط ہے خط سنہ ۲۹ء یا سنہ ۳۰ء کا رہا ہوگا، شروع سنہ ۳۱ء میں تو مکتوب علیہ کی وفات ہی ہو چکی تھی۔ (صدق جدید لکھنؤ)